طلبائے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مانو کی سرگرمیوں کا آئینہ دار

اسلامی مطالعات

ISLAMI MUTALA'AT

شمارہ: 10 | صفحات: 4 | شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | ذی الحجہ 1440 - ربیع الثانی 1441 | اگست - دسمبر 2019

☆زیرسرپرستی: پروفیسر محمد فہیم اختر ☆زیرہدایت: ڈاکٹر شکیل احمد، جناب صالح امین ☆مشاورت: ڈاکٹر محمد عرفان احمد، محترمہ ذیشان سارہ، جناب عاطف عمران ☆مدیر: مجتبیٰ فاروق ☆معاونین: عبدالرقیب، محمد عامر، محمد صلاح الدین، عزیر عالم

اداریہ

تھنک ٹینک: ضرورت وافادیت

تھنک ٹینک (Think Tank) کا لفظ سب سے پہلے امریکی صدر جان ایف کنیڈی (John F. Kennedy) نے استعمال کیا تھا۔ اپنے دورِ اقتدار میں انھوں نے وائٹ ہاؤس میں اعلیٰ دانشوروں کے ایک گروپ کو جمع کر رکھا تھا۔ ان میں میک جارج بیونڈی، رابرٹ نیک نیمارا، جان گالبریتھ، آرتھر شر لیسنگر اور ٹریڈ سورینسن جیسے بڑے اور اہم نام شامل تھے، جن کا کام بوقت ضرورت صدر مملکت کو مختلف مسائل پر مشورے دینا تھا۔ صدر جان ایف کنیڈی نے اس گروپ کو ''تھنک ٹینک'' کا نام دیا تھا۔ یہیں سے اس لفظ کا استعمال عام ہونے لگا اور یہ ایک ہمہ گیر اور کثیر الجہت اصطلاح کے طور پر رائج ہوا۔ آج ہر میدان میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اگرچہ فکری و تہذیبی اور تحقیقی ضرورت کے برعکس یہ مخصوص سیاسی پس منظر رکھتا ہے جس میں سیاسی حکمت عملیوں پر زیادہ گفتگو ہوتی ہے اور علم و تحقیق اور تفکر و تدبر سے زیادہ اس کا تعلق سیاسی مسائل اور حکمت عملیوں سے ہے۔

تھنک ٹینک کے معنی فکر و آگہی کے ہیں۔ بعض لوگ اس کا معنی سپاہِ دانش کے طور پر کرتے ہیں جبکہ بعض دوسرے حضرات اس کا ترجمہ طبقہ فکر و دانش کرتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ تھنک ٹینک اصل میں مجلسِ حل و عقد کی طرح مختلف مسائل میں غور و فکر کرنے اور ان میں رہنمائی فراہم کرنے کا کام کرتے ہیں جس میں اہل دانش اور اصحاب الرائے کا اہم رول ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کے مطابق تھنک ٹینک کے معنی مجلسِ فکر و دانش کے ہیں کیونکہ یہ اس کے معنی سے قریب تر ہے۔ تھنک ٹینک کے بنیادی مقاصد اور اہم کاموں میں مختلف علمی موضوعات پر تحقیق کرنا، عمومی طور پر انسانی اور ملکی مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کے حل کے لئے معقول رائے اور تجاویز پیش کرنا شامل ہے۔ علم و تحقیق اور تجربات کی بنیاد پر گہرائی سے مستقبل کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا اور منصوبہ بندی کرنا بھی تھنک ٹینک کے کاموں میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ علاقائی، ملکی اور عالمی حالات پر نہایت گہرائی اور گیرائی سے تجزیہ کر کے اپنے ملک کی سالمیت اور ترقی کے لئے رہنمائی فراہم کرنا بھی اس کی ذمہ داریوں کا حصہ ہے کسی بھی ملک کی فکر، تہذیب اور علم و ثقافت کے فروغ اور سماج کی تشکیل میں تھنک ٹینکس کا اہم رول ہوتا ہے۔ تھنک ٹینکس کے ہوتے ہوئے کوئی ملک یا تہذیب یا تحریک ترقی کی اونچائیوں کو چھوتا ہے۔ لہٰذا ان کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ آج ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ 20 کروڑ سے زائد مسلمانوں کی تعداد والے اس ملک میں ہمارا ایک بھی Think Tank نہیں ہے جو برادران وطن میں غلط فہمیوں کو دور کر سکے۔

تھنک ٹینکس ہر قوم و ملت اور تحریک کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر قومیں اور تحریکیں آگے بڑھ نہیں پاتی ہیں۔ جن قوموں اور تحریکوں کے پاس اصحاب الرائے اور اصحابِ حل و عقد نہ ہو تو ان کا رفتار رک جاتا ہے، سوچنے سمجھنے کا زاویہ ثلج ہو جاتا ہے، اجتہادی بصیرت بھی ختم ہو جاتی ہے اور کسی طرح کا لائحہ عمل اور منصوبہ بھی نہیں بن پاتا۔ تھنک ٹینک جیسے اداروں کا ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کے قیام کا خاص اہتمام کرنا چاہئیے۔ تھنک ٹینکس کے قیام کے سلسلہ میں ہمیں سنجیدہ ہونا چاہئیے اور ان کی ضرورت و افادیت کو نہ صرف محسوس کرنا چاہئیے بلکہ عملی اقدامات بھی کرنے چاہئے۔ ہم فکری، سائنسی اور تحقیقی کاوشوں کے سلسلہ میں بہت پیچھے ہیں۔ معیاری یونیورسٹیز، تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینکس نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک دور وہ بھی تھا، جب یورپ اور مغربی دنیا علوم و فنون میں عالم اسلام سے استفادہ کرتی تھی لیکن اب حالات بدل گئے ہیں، اب ہم ریسرچ اور ٹکنالوجی کے میدان میں دوسروں پر منحصر ہو گئے ہیں۔ سائنس کا اشاریہ (Index) سائنس واچ نام کا ایک ادارہ تیار کرتا ہے۔ اس کے مطابق جنوری 2011ء سے اگست 2011ء کے درمیان 147 ممالک میں سے 60 ممالک نے کم و بیش 10 ہزار تحقیقی مقالات شائع کئے۔ تحقیقی مقالات کے اعتبار سے سرفہرست 20 ممالک میں سب سے اوپر امریکہ ہے۔ اس فہرست میں صرف ترکی ہی مسلم دنیا کی نمائندگی کرتا نظر آرہا ہے جو 19ویں نمبر پر ہے۔ جو قوم ستاروں پر کمندیں ڈالتی تھی، اس کا اب ہر معاملے میں درآمد پر انحصار ہے۔ جو دینے والے ہاتھ تھے وہ اب ہر معاملے میں لینے والے ہاتھ بن چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایسے تحقیقی و علمی ادارے اور تھنک ٹینکس قائم کریں جو ہماری تعلیمی، معاشی، سماجی، سیاسی اور جدید مسائل کے حل کے لئے صحیح رہنمائی فراہم کریں۔

☆☆☆

مجتبیٰ فاروق

انسانی اقدار اور ہماری سماجی ذمہ داریاں

(نوید السحر، پی ایچ ڈی)

ابتدائے آفرینش سے ہی انسان تہذیب و تمدن اور اخلاق و اقدار کا تعین کرتا آیا ہے۔ اس کا رویہ خود اپنی ذات کے ساتھ کیسا ہو؟ سماج میں موجود لوگوں سے کیسا ہو؟ ان سوالات کے جوابات ازل ہی سے ڈھونڈتا آیا ہے۔ انسانی اقدار درحقیقت وہ کسوٹیاں ہیں جن پر انسان خود کے خود سے رویے کو اور خود کے دوسروں سے رویے کو پرکھتا ہے۔

انسانی اقدار دراصل سرمایہ انسانیت ہیں۔

آخر کار سچائی، ایمانداری، انصاف، اصول پسندی، رحم، ہمدردی، اخوت و محبت، عفو و درگذر، مذہبی رواداری، حوصلہ مندی، انسانیت جیسی صفات اعلیٰ اقدار کے طور پر ہر سماج میں قبول کی گئیں۔ یہی وہ معیار قرار پایا جس پر انسان اور سماج کی شناخت کی جائے۔ جو شخص ان اوصاف سے خود کو متصف کرتا ہے وہ سماج میں ستائشی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، اور جو سماج ان اقدار کو اپنے آغوش میں لیتا ہے وہ مثالی سماج کہلاتا ہے۔ اور چونکہ فرد اور سماج کا ایک دوسرے سے اٹوٹ رشتہ ہے، فرد کی چھاپ سماج پر نظر آتی ہے اور سماج کی چھاپ فرد پر، فرد سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے اور سماج فرد کا، لہٰذا یہ اقدار بھی تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی حفاظت انفرادی طور پر بھی کی جائے اور اجتماعی طور پر بھی۔ جو فرد یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک پرامن سماج میں سانس لے، اس کا سماج امن کا گہوارہ بنے، اس کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا اوصاف کا خود پاسباں بن جائے۔ ''حسن کردار سے نور مجسم ہو جا''۔

کیونکہ جب انفرادی اخلاقیات اور خوبیاں پائے تکمیل کو پہنچتی ہیں تب یہ اجتماعی طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں، مثلاً: جب ہر فرد ایماندار ہوگا تو سماج کا ہر شعبہ بااعتبار ہوگا، جب ہر ایک فرد حق پر ڈٹے رہنے کا فیصلہ کر لے گا تو سماج مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہوگا، جب ہر ایک فرد انصاف پسند ہوگا تو معاشرہ کی عدالتوں، کٹہروں سے انصاف پر فیصلے ہوں گے، جب ہر عہدہ دار اپنے عہدہ کا پاس رکھے گا تو اعتماد کی فضاء ہوگی۔

ایک شخص سچائی، حوصلہ مندی، صبر، ایمانداری کے اوصاف سے خود کو لیس کرتا ہے تو وہ جس محفل سے اٹھتا ہے اسے مہکتا چھوڑ جاتا ہے۔ اپنے سماج کو گلستاں بنانے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو اس بات کا حوصلہ کرنا ہوگا، میدان خالی بھی ہو تو تن تنہا اس محاذ پر نکل کھڑے ہوں۔ خود غرضی، فریب، جھوٹ کی سنگ باری ہو رہی ہو تو تن تنہا اپنا سینہ آگے کر دیں۔ اور یہ سچ ہے کہ سماج نے ہمیشہ ہی سچے اور حوصلہ مند شخص کو اپنا راہنما مانا ہے، اسے ہی سماج کی کمان سونپی ہے۔ یہ راہیں آسان نہیں۔ اس کی پہلی منزل ہی ناکوں چنے چبوا دیتی ہے۔ خود غرض اور بے حس معاشرے میں بے غرضی اور ہمدردی کو اپنا شعار بنانا پل صراط سے گذرنے کے مصداق ہے۔ لیکن جب پہلی منزل طے ہو جاتی ہے تو راہیں خود بخود آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کوئی اصول، کوئی قانون، کوئی فلاحی، رفاہی، سماجی تنظیم دلوں پر اس طرح اثر انداز نہیں ہوتی جس طرح ایک اصول پسند اور مخلص انسان کا کردار ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر ہر فرد انسانی اقدار کی ان اعلیٰ کسوٹیوں پر پورا اترے تو بعید نہیں کہ وہ دلوں کو مسخر کر لے، بعید نہیں کہ وہ سماج کو گلستاں بنا دے۔

اس پہلی ذمہ داری کو ادا کر کے ہم خود کو اس محاذ سے بری نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد کی کئی منزلیں ہمیں شجاعت سے طے کرنی ہوں گی۔ یہ منزلیں دراصل ہمارے سماج کے تئیں اجتماعی ذمہ داریاں ہیں۔

اجتماعی ذمہ داریاں

☆ **تعلیم و تربیت:** تعلیم وہ بنیادی چیز ہے جو انسان کو باشعور بناتی ہے، بشرطیکہ مع تربیت ہو۔ جب جب، جس جس سماج میں تعلیم کا فقدان ہوا ہے اس سماج نے اخلاقی قدروں کے فقدان کا سامنا کیا ہے۔ اسی لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تعلیم کو عام کریں، شعور کو بیدار کریں، تعلیم کے نظام میں اخلاق کو شامل کریں۔

☆ **خدمت خلق / انسانیت:** انسان وہ بہتر ہے جو خود کے ساتھ ساتھ دوسروں کی فلاح کے لئے سوچے، خود پر دوسروں کو ترجیح دے، لوگوں کی خدمت کرے۔ اس میدان میں اجتماعی طور پر کام کرے۔ ہماری انفرادی عبادتیں، نیکیاں بیکار ہیں، اگر ہم میں انسانیت موجود نہیں ہے۔ ہم خدا کو اسی وقت پہچان سکتے ہیں جب ہم لوگوں کے لئے دل میں ہمدردی، رحم اور محبت کا جذبہ پیدا کریں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

☆ **احساس ذمہ داری:** ہم میں سے ہر شخص سماج میں کسی عہدہ پر فائز ہے، ہر شخص اس دنیا میں ایک کردار نبھا رہا ہے، کوئی استاد ہے، کوئی طالب علم ہے، کوئی والد ہے، کوئی حاکم ہے۔ ہر انسان کو اجتماعی طور پر اس کردار کو سمجھنا اور نبھانا ہوگا۔ اس میں سے ہر کڑی کہیں نہ کہیں جا کر ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ اگر ایک اپنی ذمہ داری نہیں نبھائے گا تو یہ کڑی ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا ہر شخص کو جوابدہی کا احساس ہو، ذمہ داری کا احساس ہو۔

☆ **اخلاقی اقدار کی بقاء اور ان کی منتقلی:** آج ہم دنیا پر نظر دوڑائیں تو ایک عجیب تلاطم برپا ہے، فریب، دھوکہ دہی، خود غرضی، جھوٹ، بے ادبی کا ایک طوفان ہے جو امڈا چلا آرہا ہے۔ افراد، افراد پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ قومیں، قوموں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ اخلاق کا دوہرا معیار قائم ہے، جو لینے کے لئے ایک معیار قائم کرتا ہے وہ دینے کے لئے کوئی اور معیار رکھتا ہے۔ مادہ پرستی اپنے عروج پر ہے، لیکن یہ ایک شفاف حقیقت ہے کہ ''مادہ صرف اعصاب کو آرام دیتا ہے، چیزیں صرف جسمانی سکون کا ذریعہ ہیں''۔

انسان کا روحانی سکون تو درحقیقت ان انسانی اقدار میں مخفی ہے جو آج مفقود ہیں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے شفقت نہیں، مذہب کا احترام نہیں، مذہب کے نام پر منافرت پھیلانے والے لوگ جابجا موجود ہیں۔ ایسے میں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا احترام کریں، ان اقدار کو اپنی آنے والی نسلوں میں منتقل کریں۔ خود بھی نور مجسم بن جائیں اور دوسروں کو بھی اس سے مستفیض کریں۔

☆☆☆

تحریک نسواں اور اسلام

(سمیرا رابعہ، ایم اے، سال دوم)

تحریک نسواں بیسویں صدی کی مشہور تحریک ہے، اس کی شروعات مغرب میں ہوئی تھی۔ اس تحریک کے ذریعہ عورتوں نے سماج پر مردانہ غلبہ کے خاتمہ کے خلاف اور خواتین کے اپنے حقوق و اختیارات کو حاصل کرنے کے لئے آواز بلند کی تھی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق ملنے چاہئے، اور جنس کی بنیاد پر مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے، نیز مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیئے جانے چاہئے۔ تحریک نسواں کے سلسلہ میں بعض ماہرین نے اس کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تحریک خواتین میں ملکیت کا حق، روزی کمانے کا حق، محنت کی قدر اور اجرت حاصل کرنے کا حق، اور ذہانت، تدبر، دوراندیشی اور دوسری انسانی صلاحیتوں سے بہرہ ور تسلیم کرنے کا حق کے حصول کے لئے وجود میں آئی تھی۔

ہم اس تحریک کو اسلامی تعلیمات سے جوڑ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اسلام کی خاص خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اسلام نے کبھی بھی مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں کیا۔ قرآن و سنت میں بہت سے احکام ہیں جن میں مرد اور عورت کو برابر کا حکم دیا گیا ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں برتا گیا ہے۔ ہاں کچھ ایسے احکام ہیں جو مرد اور عورتوں کے لئے الگ ہیں۔ وہ احکام الگ نوعیت کے ضرور ہیں لیکن حقوق دونوں کے لئے برابر ہیں۔ حقوق کے سلسلہ میں اسلام نے عورت کے متعلق کسی بھی طرح کی حق تلفی نہیں کی ہے، بلکہ حقوق میں برابری کی ہے۔ اسلام نے عورتوں کو بنیادی سماجی اور سیاسی حقوق دیئے ہیں۔ عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا ہے، اپنے جان و مال پر مالکانہ تصرف کا حق دیا ہے، نکاح کا حق، میراث کا حق، معاشی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا اختیار دیا ہے۔ ان کے علاوہ عورتوں کو بہت ساری رعایتیں بھی دی گئی ہیں۔ جب بھی آزادئ نسواں کی بات آتی ہے تو مغرب میں سب سے پہلے عورتوں کے پردہ پر اعتراض ہوتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ پردہ آزادئ نسواں کے لئے رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک طرح سے عورت کے لئے تحفظ کا سامان ہے۔ عورت کا مقام اسلام کے آنے کے بعد ہی بلند ہوا۔ اس کے مقام و مرتبہ سے قرآن و سنت کے ذریعہ ہی دنیا باخبر ہوئی۔

پردہ کرنا اللہ کا ایک حکم ہے، جیسے نماز، روزہ اور حج اللہ کے احکام میں سے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانیں اور مانیں۔ ان کے علاوہ دوسرے موضوعات بھی ہیں جن میں Personal Law، مسجدوں میں عورت اور مرد کے برابر نماز ادا کر سکتی ہے یا نہیں اور امامت وغیرہ۔ اسلام نے عورت کو آزادی بھی دی ہے اور حقوق بھی۔ فیمنزم جو اگرچہ بعض چیزوں اور مسائل میں وہ عورت کی تائید میں ہے، لیکن وہ عورت کا حقیقی تشخص اور دائرہ کار کو اور اس کے اصل حقوق پر منفی اثرات ڈالتی ہے۔

☆☆☆

شعبہ کا پتہ: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسکول برائے فنون وسماجی علوم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد، 500032، فون: 040-23008364، ای میل: doismanuu@gmail.com، ویب سائٹ: www.manuu.ac.in

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(میمونہ بنت عبداللہ، ایم اے، سال دوم)

اسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ دین فطرت ہے۔ اس نے ہمیں اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔ اس احسان کا تقاضہ ہے کہ ہم خود اللہ کی بندگی کریں اس کے قانون پر چلیں، اور ہر وقت اس کو خوش کرنے کی کوششیں کریں۔ اس کے بعد اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچائیں اور لوگوں کو بتائیں کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے اور ان کے درمیان امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں آدم کی اولاد ہیں، دونوں ایک ہی منزل کے راہی ہیں، عائلی زندگی میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، دونوں کی آپس کی محبت، رفاقت اور اچھے تعلقات سے نسل انسانی کا قافلہ آگے بڑھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواتین ہی کے گود میں قومیں پلتی ہیں، سماج کو بنانے اور بگاڑنے میں خواتین کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، ان کی ذرا سی غفلت اخلاقی قدریں تباہ کر سکتی ہیں۔ اس لئے بچپن ہی سے ان کی بہتر تربیت اور صحیح رہنمائی کا اہتمام کرنا ہماری لازمی ذمہ داری ہے۔ کتاب وسنت میں احتساب پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض میں اگرچہ خواتین کا مستقل طور پر ذکر نہیں کیا گیا لیکن وہ ان احکام میں مردوں کے ساتھ شریک ہیں۔ ارشاد رب العالمین ہے: ”زمانہ کی قسم! بیشک انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی“۔ (سورہ عصر)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تمام انسان عظیم خسارہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ البتہ وہ لوگ اس خسارہ سے نجات حاصل کریں گے جن میں چار صفات پائی جائیں: 1-ایمان، 2-اعمال صالح، 3-تواصی بالحق یعنی ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے والے، 4-تواصی بالصبر یعنی ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنے والے۔

ان صفات میں تیسری صفت تواصی بالحق ہے، اور اس سے مراد جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ اس کا مطلب نیکی کی ایک دوسرے کو تاکید کرنا ممنوعہ کاموں سے باز رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرنا ہے۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں جس طرح خسارے سے نجات حاصل کرنے کے لئے مردوں کے لئے یہ چار کام کرنا ضروری ہیں، اسی طرح نجات کے حصول کی خاطر خواتین کا بھی ان چار کاموں کو سر انجام دینا لازمی امر ہے، اور ان چاروں میں سے ایک دوسرے کو بھلائی کے کاموں کا حکم دینا اور بری باتوں سے باز رہنے کی تلقین کرنا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہباں ہے، اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت کے نگہباں ہونے کا تقاضہ ہے کہ جن کی نگہداشت کی ذمہ داری اس کو سونپی گئی ہے، وہ انھیں بھلائی کے کاموں کے کرنے کا حکم دے اور برائی کے ارتکاب پر انھیں روکے۔ دیگر نگہبانوں کی طرح عورت سے بھی اس بارے میں روز قیامت باز پرس ہوگی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: اور عورت سے اپنے ماتحت افراد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

پس مسلمان خواتین کو چاہئے کہ وہ اس دن کے سوال کی جوابدہی کے لئے خوب اچھی طرح تیاری کر لے، کیونکہ اس دن حسرت وندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور اس سوال کی جوابدہی کی تیاری میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے ماتحت افراد کو نیکی کے کاموں کا حکم دیتی رہے، اور انھیں برے کاموں سے تاحد استطاعت روکتی رہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں عورتوں کی اہمیت اور حیثیت کو اجاگر کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ والدین میں سے ماؤں کو اپنی اولاد کے ساتھ زیادہ وقت گذارنے کا موقع میسر آتا ہے۔ باپ عام طور پر رزق کی تلاش اور دیگر معاملات کی انجام دہی کی خاطر گھر سے باہر رہتا ہے، اور عورتوں کا اصل ٹھکانہ ہی گھر کی چہار دیواری ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں دلچسپی کی صورت میں خواتین کو مردوں کو نیکی کا حکم دینے میں اور برائی سے روکنے کے بہت زیادہ مواقع ملتے ہیں۔

یہ تو تھا حکم خداوندی کہ ہمیں بروقت آگاہ کیا گیا لیکن ہماری کمزوریوں کا عالم یہ ہے کہ ہم دیدہ ودانستہ اپنے فرض سے غفلت برتتے ہیں۔ یہ ہماری غفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہمارے خانگی معاملات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں اور ہماری خواتین رسم ورواج کے چکر میں پھنستی جا رہی ہیں اور ہم اگر نظر کو وسیع کر کے دیکھیں تو ملت کی کچھ خواتین ہیں جن کو ٹی وی دیکھنے کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رہتا، کچھ دوسری خواتین ہیں جن کی نظروں میں جہیز اور شادی کے لا محدود مطالبات ہی منتہائے مقصود ہیں، بعض دیگر ہیں جو اپنے آپ کو روشن خیال سمجھتی ہیں، وہ سوچتی ہیں اگر ہم نے اپنی اولاد کو بہادر اور لڑکیوں کو میم صاحبہ بنا دیا تو زندگی کی معراج حاصل ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ نئی تہذیب جیسے جیسے بڑھتی جارہی ہے، ویسے ویسے فیشن کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے۔ موبائیل اور ٹی وی کی وجہ سے فیشن کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں، بننے، سنورنے اور پہننے اوڑھنے میں فیشن کا اہتمام زیادہ ہو رہا ہے۔ سنگار کی اعلیٰ چیزیں یہاں تک کہ کشیدہ کاری کے Most Fashionable برقع بازار میں آچکے ہیں۔ مردوں اور عورتوں میں اس تہذیب کے مطابق ساتھ ساتھ ہوٹلوں میں جانے اور تفریح گاہوں میں سیر کرنے کا چلن عام ہو رہا ہے۔ نئی تہذیب اس کے ساتھ یہ بھی چاہتی ہے کہ خواتین گانے بجانے اور ناچنے میں مردوں کا ساتھ دیں جو انتہائی بے حیائی پر مبنی ہیں، اور اس کو عورت کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم اسلام کی برکت سے یہ جانتے ہیں کہ یہ کوئی آزادی نہیں ہے کہ عورت اپنا نسوانی جوہر گنوا بیٹھے۔ دراصل آزادی نسواں کے علمبرداروں کے سامنے کوئی اصول حیات نہیں ہے، وہ سوشل سروس کے بہانہ عورتوں کو ایسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں، جہاں شرم وحیا کا قلع قمع ہو چکا ہے، اور عصمت وعفت کا سوال اٹھ چکا ہے اور نیکی وبدی میں کوئی تمیز کرنے والا نہیں ہے۔ یہ شیطان کی دیرینہ تمنا تھی جو اب نئی تہذیب کے سہارا پوری ہو رہی ہے۔ خواتین کو ان مہلک خطرات سے بچانا ہمارا فرض ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

علم تفسیر - تعارف اور ارتقاء

(ثاقب طفیل، ایم اے، سال اول)

تفسیر (ف س ر) سے نکلا ہے جس کے معنی ظاہر کرنا، کھول کر بیان کرنا اور بے حجاب کرنا ہیں۔ اصطلاح میں تفسیر سے مراد قرآن مجید کے معانی ومفہوم کو واضح کرنا ہے۔ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں: تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کے تلفظ، ان کے مفہوم، ان کے احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کے وہ حامل ہوتے ہیں (البحر المحیط)۔ علامہ آلوسی علم تفسیر کی تعریف میں لکھتے ہیں: تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ کو باہم ملانے کی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں اور ان معانی کا تکملہ جو ناسخ و منسوخ اور شان نزول اور غیر واضح مضمون کی وضاحت کی صورت میں بیان کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کی تفسیر میں علم قرأت، علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم حدیث، علم معانی وعلم بلاغت وغیرہ علوم سے مدد لی جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ایک مختصر سا جملہ ہوتا ہے مگر اس میں حقائق واسرار کی ایک غیر متناہی کائنات پوشیدہ ہوتی ہے جس کی تفسیر کا دائرہ مختلف علوم کو شامل ہوتا ہے۔

جیسے قرآن کریم میں باری تعالی کا ارشاد ہے: ”وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ“، (الذاریات: 21) اور تم اپنے آپ میں غور کرو کیا تم نہیں دیکھتے۔ اس مختصر سے جملے کی تشریح و تفصیل میں پورا علم الابدان (Physiology) اور پورا علمِ نفسیات (Psychology) سما جاتا ہے۔

علم تفسیر کا آغاز وارتقاء

علم تفسیر کا آغاز عہد نبوی میں ہی ہو گیا تھا لیکن اس وقت اسے ایک مستقل علم کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ علم تفسیر مختلف مراحل سے گذرا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ: علم تفسیر نزول وحی کے زمانہ میں: اس دور میں حضور ﷺ قرآن کے شارح اول تھے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ ﷺ اسے لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور اس آیت کے مقاصد شریعت ومعانی کی تشریح کرتے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ”وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“، (نحل: 44) ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں پر ان ہدایات کو اچھی طرح واضح کر دیں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہیں۔

دوسرا مرحلہ: علم تفسیر صحابہ کرام کے دور میں: علم تفسیر کی تاریخ میں صحابہ کرام کی جماعت پہلی مفسرین کی جماعت ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بعض صحابہ کرام نے علم تفسیر کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں۔ اس دور کے مشہور مفسرین میں خلفائے راشدین کے علاوہ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری اور ابی بن کعب وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرا مرحلہ: علم تفسیر تابعین کے دور میں: یہ صحابہ کرام کے بعد کا دور ہے۔ اس دور میں علم تفسیر کی بنیاد تفسیر قرآن بالقرآن کے علاوہ صحابہ کرام سے روایت کردہ آپ ﷺ کی احادیث تھیں۔ اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ بعض مفسرین کے یہاں علم تفسیر کی تدوین اور اسے تحریری شکل دینے کا آغاز ہوا۔ اس دور کے مفسرین کی تین جماعتیں ہیں جو یہ ہیں: پہلی جماعت: یہ عبداللہ بن عباس کے شاگردوں کی جماعت ہے جو مکہ مکرمہ کے علماء پر مشتمل تھی جن میں عطا بن ابی رباح، مجاہد اور سعید بن جبیر شامل ہیں۔ دوسری جماعت: یہ عبداللہ بن مسعود کے کوفہ کے شاگردوں کی جماعت ہے جس میں نخعی اور شعبی وغیرہ شریک ہیں۔ تیسری جماعت انس بن مالک کے شاگردوں کی ہے جن میں قتادہ اور حسن بصری وغیرہ داخل ہیں۔

چوتھا مرحلہ: یہ مرحلہ تبع تابعین کی تفسیری کاوشوں پر مشتمل ہے۔ اس دور میں ایک طرف باطل فرقے، معتزلہ، قدریہ اور سبائیہ وغیرہ اپنے فاسد اور باطل نظریات پھیلا رہے تھے تو دوسری طرف یونانی فلسفہ اذہان وقلوب کو مسموم کر رہا تھا۔ مزید برآں ملحدین کا ایک طبقہ بھی تھا جو قرآن پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہا تھا۔ چنانچہ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ایسی تفاسیر تالیف کی گئیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی تفاسیر اور صحابہ وتابعین کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ اور ساتھ ہی تفسیر قرآن کے ضمن میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں فرق باطلہ کی تردید میں قلم اٹھایا گیا اور ان باطل نظریات کی تردید کی گی۔ تفسیر کے مختلف مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر نویسی کے اس مرحلہ یعنی دوسری صدی ہجری میں فن تفسیر اور اس کے متعلقات پر 60/ سے زیادہ کتابیں تالیف ہوئیں۔

پانچواں مرحلہ: اس مرحلہ میں تفسیر نویسی نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر لی۔ اب ایک ایک سورہ یا چند آیات کی تفسیر کے بجائے پورے قرآن کی تفسیر ہونے لگی۔ اس مرحلہ میں مرتب ہونے والی تفاسیر کو بھی تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان تفاسیر میں احادیث نبویہ، اقوالِ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کو بنیاد بنایا گیا۔ ان مفسرین میں ابن ماجہ، ابن جریر طبری، اور امام حاکم جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔

☆☆☆

ذرے سے پہاڑ کا سفر

(ثاقب راز، ایم اے، سال دوم)

ہر شخص کامیاب ہونا چاہتا ہے لیکن وہ اس بات سے لا علم ہوتا ہے کہ کامیابی کیسے حاصل کی جائے۔ اس وجہ سے انسان ہر اس طریقے کو اختیار کرنا چاہتا ہے جس سے کامیابی کی راہ ہموار ہو سکے۔ کامیابی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو مختلف النوع صلاحیتوں سے نوازا ہے، جس نے اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ڈھونڈ نکالا تو گویا اس نے کامیابی کی منزل کو پالیا۔

کامیاب ہونے کے لئے ہر فرد کو اپنی زندگی میں دو اہم صفات پیدا کرنا نہایت ضروری ہے جن کو ہم 'صبر' و 'یقین' کے ناموں سے جانتے ہیں۔ کامیابی کے حصول کے لئے ان دونوں صفات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کے بغیر زندگی صحیح ڈگر پر نہیں رہ سکتی اور نہ ہی زندگی کے دوسرے معاملات کامیابی کے ساتھ طے پا سکتے ہیں۔ ان صفات سے خود کو آراستہ کئے بغیر کسی انسان کے اخلاق، اس کے خیالات اور اس کی سرگرمیوں میں وہ روحانیت اور تسکین پیدا نہیں ہو سکتی جن کے ذریعے سے لوگوں کے دل اس کی باتوں سے ہل جائیں۔ صبر ویقین کے بغیر کوئی شخص کسی کو اپنا قائل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنے دشمن کو شکست دے سکتا ہے جب تک کہ اس میں یہ دو عناصر نہ ہوں۔ ان کی بناء پر دشمن کو بھی دوست بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح شک کے بحر ظلمات سے یقین کی پرسکون وادی میں نہیں آیا جا سکتا، اپنی زندگی کو لاالہ کی زنجیر سے جوڑے نہیں رکھا جا سکتا، مزید بین بین ذالک کی وادی سے باہر نہیں آسکتا جب تک صبر ویقین حاصل نہ ہو۔ صبر ویقین کے بغیر ایک فرد اپنے دل سے خوف کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنی غم والم کو برداشت کر سکتا ہے۔ صبر ویقین کی عدم موجودگی میں ایک انسان اپنی فکر وصلاحیت میں اضافہ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ صبر ویقین کی ہی بدولت اللہ تعالیٰ انسان کو امامت سے نوازتا ہے۔ اس بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا ہے: ”وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ“۔ (السجدہ: 24) جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم ایسے پیشوا پیدا کئے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں۔

صبر: صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ اپنے غیر معتدل مزاج کے خلاف کرنا پڑتا ہے نفسانی خواہشوں کے خلاف لوگوں کی طعنہ زنی کے خلاف ان کی کڑوی باتوں کے خلاف تب جا کے وہ کامیابی کے بلند مقام پر فائز ہو پاتا ہے۔

یقین: یقین کا مطلب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محکم ایمان رکھنا ہے۔ یہی یقین انسان کو متوازن اور استحکام بخشتا ہے اور وہ ہر مصیبت اور آزمائش کو صبر وتحمل سے برداشت کر پاتا ہے۔ انسانی زندگی میں یقین ایک انمول چیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یقین نہ ہو تو ایک انسان شکوک وشبہات کے شکار ہو سکتا ہے۔ اور اس کے اندر اعتدال پسندی بھی زائل ہو سکتی ہے۔ شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز 'ذالك الكتاب لا ريب فيه' کے ذریعہ کیا۔ اگر انسان شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگا تو وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ صبر ویقین دو ایسی نعمتیں ہیں جن کے ذریعہ انسان کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ یقین کے بغیر انسان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی میں صبر ویقین کو لازم بنالیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ

زندگی کے عروج میں زندگی کا زوال ہوتا ہے
کامیاب وہ شخص ہوتا ہے جس کا ارادہ لازوال ہوتا ہے

☆☆☆

آزاد نظم بنام اقبال
(یوم اقبال کے موقع پر)

ماہ خاصہ خاصان فِن تاریخ نہم
پھر یاد تیری آنکھ کو کر گئی نم
فکر تیری اب بھی ہے تازہ دم
نالہ سحر تیرا رکھتا ہے قلب گرم
ہاں وہ سوز تیرا، وہ ساز تیار
وہ فکر تیری، وہ راز تیرا
تو نہیں پر اب بھی زندہ ہے

وہ سلیقہ دل نواز تیرا
تیری فکر کی روح
تیری سوچ کی خوشبو
تیری شعر کی خو
اب بھی زندہ ہے

وہ خواب تیرا
تحریک تیری
اب زندہ ہے

شب ظلمت میں تو
چراغ محبت
شمشیر غیرت
گراں خواب امت کو سکھلائے جس نے
وہ درس خودی اور درس حمیت
سلام تم پر
اے قوم کی عزت
مسیحائے ملت
سلام تم پر
اے خدا کی رحمت

انعم محمدی شیخ
(ایم اے، سال اول)

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

(انعم محمدی شیخ، ایم اے، سال اول)

تاریخ گواہ ہے کہ صنف نازک عورت پر ہر زمانہ میں ظلم ہوتا رہا، اس کو ہر زمانہ میں ستایا گیا، کبھی مذہب کے نام پر تو کبھی ریت ورواج کے نام پر، یہ طبقہ ہمیشہ مظلوم رہا۔ مگر مذہب اسلام نے عورت کو ذلت کی پستی سے اٹھا کر عزت کے مقام پر فائز کیا۔ ماضی کے تمام باطل نظریوں کو رد کر دیا۔ اسلام نے جو مقام عورت کر دیا ہے اس کی عظمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوگا جب ہم دوسرے مذاہب میں ان کو دیئے گئے مقام کے متعلق مطالعہ کریں گے۔

حمورابی کا مذہبی قانون جو بابل میں سترہویں صدی میں رائج تھا۔ اس قانون کے مطابق عورت کو ایک پالتو جانور سمجھا جاتا تھا۔ یونان کی قدیم تہذیب میں عورت ہر قسم کے حقوق وآزادی سے محروم تھی۔ قدیم مصری تہذیب میں زاہدانہ رجحان رکھنے والے لوگوں نے جسم عورت کو نجس سمجھ لیا تھا، اکثر کا یہ خیال تھا کہ وہ نجات پانے والی روح سے خالی ہے۔ ہندو دھرم میں عورت کو وراثت میں کوئی حق نہیں تھا۔ بدھ مت میں عورتوں کی فطرت کا موازنہ مچھلی کی ناقابل فہم عادتوں سے کیا گیا۔ یہودیت کی اگر بات کریں تو یہودیت میں بھی مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں مل سکتا تھا۔ عیسائیت میں تو دھوکہ، جھوٹ، فریب جیسے گناہوں کی جڑ عورت ہی کو تصور کیا جاتا تھا، اور جو غلطی آدم اور حوا سے ہوئی تھی اس کا پورا الزام حضرت حوا کے سر ڈالا جاتا ہے۔ عرب سے متعلق کئی روایات منقول ہیں کہ وہ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور ان کو حق وراثت سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔

مذہب اسلام نے ان تمام باطل تصورات کو ختم کر دیا، عورت کو بحیثیت عورت بعد میں بحیثیت انسان پہلے دیکھا۔ یہ تصور ہی ختم کر دیا کہ عورت ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال یا نیک روح ہونے میں فرق آئے گا، بلکہ سورہ نحل کی آیت نمبر 97 میں یہ واضح کر دیا کہ نیک عمل جو کوئی کرے گا مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ جہاں بابل کی تہذیب میں اس کو پالتو جانور سمجھا جاتا تھا وہیں اسلام نے اس کو گھر کی ملکہ قرار دیا، جہاں یونان نے اس کو تمام حقوق سے محروم کر دیا تھا وہیں اسلام نے اس کو تمام حقوق عطا کئے، چاہے سیاسی ہو، معاشی ہو یا سماجی، جہاں مصر کے زاہدانہ رجحان نے عورت کو نجات پانے والی روح سے خالی سمجھا تھا، وہیں اسلام نے قرآن میں نیک عورتوں کی مثالیں بیان کیں اور سورہ احزاب میں 10 جگہ عورتوں کی نیک صفات کا ذکر کیا، اور اس تصور کو ختم کر دیا کہ عورتیں نجات پانے والی روح سے خالی ہیں، بلکہ مذہب اسلام نے تو قرآن مین سورہ تحریم میں سارے مسلمانوں کو حضرت آسیہؓ کی مثال دی ہے، جن کا تعلق صنف نازک سے ہے۔ پھر جہاں بہت سے مذاہب میں عورتوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا تھا، وہیں مذہب اسلام نے وراثت میں عورتوں کو حقوق دیئے، (النساء: 8)۔ جہاں عیسائیت میں عورتوں کو گناہ کی جڑ تصور کیا جاتا، وہیں اسلام نے عورت کا وجود باعث خیر وبرکت بنایا۔ حضور ﷺ کا قول ہے کہ مجھے دنیا میں عورت اور خوشبو سے محبت ہے۔ مذہب اسلام میں عورت کا وجود رحمت ہے، وہ جس کسی سانچے میں ڈھالی جاتی ہے وہ اپنے اطراف واکناف کے ماحول کے لئے رحمت بن جاتی ہے۔

جہاں اہل عرب بیٹی کی پیدائش اور پرورش کو ذلت سمجھتے تھے وہیں اسلام نے بیٹی کی پرورش کرنے والے کو جنت کا مژدہ سنایا، (مسلم: 2631)۔ نیک بیوی کو اللہ کی نعمت میں شمار کیا، (ابن ماجہ: 1857)۔ عورت کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، بلکہ سب سے اچھے اخلاق والے کی پہچان یہ بتائی کہ وہ عورتوں کے ساتھ اچھا ہو، (ترمذی: 1162)۔ ان بنیادی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کس قدر اعلیٰ اور باعزت مقام ومرتبہ عطا کیا۔ ہم تمام کو بھی چاہئے کہ اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ اپنے معاشرہ میں قائم کریں۔ میں بحیثیت عورت ہونے کہ یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے مجھے عزت کا مقام ومرتبہ دیا اور اسلام ہی وہ مذہب ہے جس سے مجھے عشق ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

☆☆☆

سوشل میڈیا-تعارف اور اثرات

(عبدالرقیب، پی ایچ ڈی)

سوشل میڈیا انٹرنیٹ سے جڑا ایک ایسا نیٹ ورک ہے جو نہ صرف افراد بلکہ پورے سماج کو بھی ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے۔ سوشل میڈیا خیالات کا تبادلہ کرنے، اپنے پیغامات کی ترسیل کرنے اور انٹرنیٹ پر موجود بے شمار خبروں کو ایک دوسرے سے شیئر کرنے کا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ اگر ہندوستان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو سوشل سائٹوں کی تعداد تقریبا ساڑھے تین سو سے زائد ہے۔ عالمی پیمانے پر اس کے صارفین کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہے۔ 2017ء کے اعداد وشمار کے مطابق یومیہ فیس بک (Facebook) کے صارفین کی تعداد 2.1 بلین، یوٹیوب کے صارفین کی تعداد 5.1 بلین، واٹس ایپ کے صارفین کی تعداد 1.2 بلین ہے۔ سوشل میڈیا پر صارفین کی بہتیات کو دیکھتے ہوئے ہر فکر کے حاملین اپنے افکار وخیالات کو پھیلانے اور فروغ دینے کے لئے اس پلیٹ فارم کا بھرپور استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا نے انسانی حواس پر اس قدر غلبہ پالیا ہے کہ اس کے بغیر انسانی زندگی بے جان نظر آتی ہے۔ خواہ وہ آنے والی نوجوان نسل ہو یا متوسط درجہ یا ادھیڑ عمر کے لوگ، ہر کوئی اس کا دلدادہ نظر آتا ہے۔

سوشل میڈیا کے فوائد ونقصانات

سوشل میڈیا کے بے شمار فوائد اور خوبیوں کے باوجود اس کے بہت سارے نقصانات بھی ہیں۔ کسی بھی چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک مثبت اور دوسرا منفی۔ اگر منفی پہلو پر توجہ نہ دی جائے تو خطرناک اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے فوائد:

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نے آپسی تبادلہ خیال کو نہایت ہی آسان بنا دیا ہے۔ ہم اس کے ذریعہ اپنے دوست واحباب تک نہ صرف معلومات شیئر کر سکتے ہیں بلکہ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال بھی کر سکتے ہیں۔

خبروں کے ابلاغ کا موثر ذریعہ:

اس کے ذریعہ ہماری رسائی ایسی خبروں تک ہوتی ہے جو بسا اوقات ہمیں قومی اخبارات میں نہیں ملتی ہیں۔

تعاون کے حصول کا ذریعہ:

اس کے ذریعہ سے کم سے کم وقت میں بھی خوب استعانت یا امداد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خواہ کسی کی مدد کرنی ہو یا کسی مسئلہ میں حکومت کی توجہ مبذول کرانی ہو یا کسی مہم کو دوسروں تک پہنچانا ہو تو سوشل میڈیا اس کے لئے نہایت ہی موثر ذریعہ ہے۔

تضیع اوقات:

اس کے منفی استعمال سے کئی گھنٹے یوں ہی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کا نشہ نوجوان نسل کو اس قدر ہو چکا ہے کہ انھوں نے اپنی تعلیم اور کیریئر کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔

قریبی رشتہ داروں سے دوری:

اس نے رشتوں اور تعلقات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ آج ہم جس اخلاقی تنزل کے شکار ہیں۔ اس کے لئے سوشل میڈیا نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔

افواہوں کی ترسیل:

اس کے ذریعہ سے افواہوں کو بھی خوب پھلایا جاتا ہے۔ غلط یا غیر ضروری خبروں کو بھی اس کے ذریعہ پھلایا جاتا ہے۔

سوشل میڈیا کے استعمال کے رہنما اصول:

سوشل میڈیا کے استعمال کے وقت جن امور کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے ان میں سے بعض چیزیں یہ ہیں: (1) سوشل میڈیا کا استعمال تعاونوا علی البر والتقویٰ کی بنیاد پر ہو نہ کہ تعاونوا علی الاثم والعدوان کی بنیاد پر ہو۔ (2) ہر وقت اس کا احساس رہے کہ انسان کی ایک ایک حرکت اللہ کی نظروں میں ہے۔ اس کے استعمال کے وقت کراماً اور کاتبین کی موجودگی اور ہر چیز کو نوٹ کرنے کا احساس کیا جائے۔ (3) سوشل میڈیا اللہ کی بندگی میں کوتاہی یا وقت کے ضیاع کا ذریعہ نہ بنے۔ (4) اچھی چیزوں کو دوسروں سے شیئر کرنا اچھی بات اور ثواب کا کام ہے اور غلط چیزوں کو شیئر کرنا معصیت کی اعانت ہے۔ (5) اس بات کا استحضار کیا جائے کہ فحش تصویریں اور ویڈیوز دیکھنا اور شیئر کرنا حرام ہے۔

ان چند بنیادی اصولوں پر عمل کر کے سوشل میڈیا کی تباہ کاریوں سے کسی قدر محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

سلطنت عثمانیہ کا زوال: اسباب ومحرکات

(محمد صلاح الدین، پی ایچ ڈی)

خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی ایک بار پھر دنیا کے نقشہ پر ایک سیاسی اور معاشی طاقت بن کر ابھر رہا ہے، دنیا کی نگاہیں اس وقت ترکی پر ٹکی ہوئی ہیں، مسلم قوم ترکی کو جہاں امید بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے، وہیں یورپی طاقتوں میں بے چینی اور اضطراب کی لہریں صاف محسوس ہو رہی ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ معاہدہ لوزان کے ختم ہونے کے بعد ترکی مزید طاقت ور ملک بن کر ابھرے گا، اس لئے جوں جوں وقت قریب آتا جا رہا ہے عالمی طاقتوں کی بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب ترکی میں دنیا کی عظیم سلطنت یعنی خلافت عثمانیہ کا راج تھا، اور ترکی دنیا بھر کے مسلمانوں کی امید و آسرا اور پناہ گاہ ثابت ہو رہا تھا لیکن یورپ کی اسلام دشمن طاقتوں کو یہ کب گوارہ ہوسکتا تھا لہٰذا یورپ کی متحدہ قوتوں، خاص کر فرانس اور برطانیہ نے مل اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ یوں تو اسلامی تاریخ میں بڑی بڑی سلطنتیں ہوئیں، خلافت بنو امیہ، خلافتِ عباسیہ، سلطنتِ مملوک، سلطنتِ عثمانیہ اور سلطنتِ مغلیہ وغیرہ یہ وہ بڑی سلطنتیں ہیں جو اپنے دور میں عروج کی انتہا کو پہنچیں۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہیں زوال آیا اور ان کا نام تاریخ کے اوراق میں چھپ کر رہ گیا۔ ان کے علاوہ بے شمار چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں مگر وہ بھی تھوڑے عرصہ بعد دم توڑ گئیں۔ ان سب کے زوال کی اپنی اپنی وجوہات ہیں۔ مؤرخین اور تاریخ دانوں کیلئے یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے۔ فلسفہ تاریخ کے نامور مصنف اور مشہور تاریخ داں ابن خلدون نے اپنی کتاب ”مقدمہ“ میں ایک بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ: سلطنتیں کسی فرد کی طرح اپنی ایک عمر رکھتی ہیں۔ یہ پیدا ہوتی ہیں اور عمر کے ساتھ عروج اور پھر زوال تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔

سلطنتوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون کے یہ الفاظ ہر لحاظ سے درست اور صحیح ہیں۔ 1299ء سے 1922ء تک یعنی سوا چھ سو سال انتہائی عظمت وشوکت کے ساتھ قائم رہنے والی ہونے والی عظیم اسلامی سلطنت، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال نے اس فلسفہ پر مزید مہر تصدیق ثبت کر دیا۔

زوال کے اسباب

سلطان کی مجلس دیوان سے علیحدگی:

عثمانی سلطنت کی سب سے با اختیار اور سب سے بڑی انتظامی مجلس اس کا دیوان تھا، جس کے اجلاس کی صدارت خود سلطان کرتا تھا۔ اس میں انتظامیہ، فوج، عدلیہ کے اعلی حکام، وزرا اور بڑے بڑے ذمہ داران شامل ہوتے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے دسویں حکمراں سلیمان اعظم سے پہلے اس دستور کا اہتمام کیا جاتا رہا اور سلطان خود اس کی صدارت کے فرائض انجام دیتا، اور وزرا و حکام سے مختلف امور میں مشورے کرتا تھا۔ سلیمان نے اپنے دور میں اس دستور کو ختم کر دیا، اور دیوان کے بجائے اس سے متصل ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھنا شروع کر دیا، اب وہ وہیں بیٹھ کر جالیوں سے مجلس کی تمام کارروائی سنا کرتا تھا، لیکن سلیمان کے بعد کے حکمرانوں نے متصل کمرہ میں بیٹھنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی اور تمام کارروائی صدر اعظم کے حوالہ کر کے انہوں نے اس انتظامی مجلس کو گویا خیر باد کہہ دیا۔

امور حکومت میں محل کی خواتین کی دخل اندازی:

تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ حکومت کے معاملات میں محل کی خواتین کی دخل اندازی نے جب سازش کی شکل اختیار کر لی تو حکومتیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ عثمانی سلطنت کے زوال کی ایک بڑی وجہ محل کی عورتوں کی بے جا دخل اندازی بھی ہے۔

عثمانی شہزادوں کی محل تک تحدید:

سلیمان کے زمانے میں خواتین حرم، خاص کر سلطانہ خرم کے زیر اثر شہزادوں کو جنگ کے میدانوں اور صوبوں کے دار الحکومتوں کے بجائے محل میں رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عثمانی سلطنت میں اب ایسے حکمراں تخت نشیں ہونے لگے جنہوں نے تخت نشینی سے پہلے تک شاہی محل سے باہر کی دنیا کو دیکھا تک نہیں تھا محل کی تربیت نے عثمانی خاندان سے محنت و جفاکشی ختم کر دی، اور شہزادوں کو آرام پسند اور عیش عشرت کا عادی بنا دیا، اور پھر وہ دھیرے دھیرے حکومت کے امور سے غافل ہو گئے۔

غیر مسلم (کتابی) عورتوں سے شادی:

زوال کی ایک وجہ غیر مسلم عورتوں سے شادی بھی ہے۔ یوں تو ابتدائی دور کے عثمانی حکمرانوں نے بھی کتابی عورتوں سے شادیاں کی تھیں، مثلا آل عثمان کا دوسرا حکمران اورخان، اس کے بعد سلطان مراد اور بایزید یلدرم نے بھی کتابی عورتوں سے شادیاں کی تھیں لیکن جس طرح سلیمان کی بیوی سلطانہ خرم اپنے شوہر کے دل ودماغ پر حاوی ہونے میں کامیاب ہوئی کسی اور کے ساتھ ایسا نہ ہوا۔ شادیوں کے علاوہ بھی حکمرانوں کے محل میں کنیزوں اور باندیوں کی شکل میں غیر مسلم خواتین کی ایک بڑی تعداد موجود رہتی تھی اور مختلف مواقع پر امور سلطنت میں اثر انداز ہوا کرتی تھیں۔

ترک قوم پرستی:

اس زمانے میں یورپ میں قومیت کی لہر چل رہی تھی، اس کے زیر اثر ترکوں میں بھی قومیت کا حامی ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔ خاص کر نئی نسل جو یورپ میں تعلیم حاصل کرنے جاتی تھی۔ وہ وہاں سے قومیت کا عنصر اپنے ساتھ لے کر آتی تھی۔ عثمانی حکومت کے زوال میں اس طبقہ نے بھی اپنا اہم رول ادا کیا۔

عربوں کی بغاوت:

عربوں کو یورپی طاقتوں نے خود مختاری کا سبز باغ دکھا کر عثمانی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا تھا۔ حالانکہ عثمانی حکمراں اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود حرمین اور آس پاس کے عرب علاقوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

معاصر اقوام کی بیداری اور عثمانی حکومت کے خلاف سازشیں:

ایک جانب عثمانی ترک اپنے گرد وپیش کی طاقتوں اور مخالفین کی سازشوں سے غافل تھے تو وہیں دوسری طرف ان کی ہم سایہ قوموں نے علوم وفنون میں ترقی کر کے نئی نئی ایجادات کیں جو ان کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بن گئی۔ علمی وسیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ صنعتی انقلاب نے مل ترکی کی ہم سایہ قوموں کو بہت زیادہ طاقت ور بنا دیا، انہوں نے عثمانیوں سے یورپی علاقے چھیننے کا منصوبہ بنایا نیز مسلم علاقوں کے بھی حصے بخرے کر دینے کی سازشیں کیں۔

☆☆☆

شعبہ کی علمی وثقافتی سرگرمیاں

(آفرین بیگم، ایم اے، سال دوم)

شعبہ اسلامک اسٹڈیز مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کاایک فعال شعبہ ہے، جواپنی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی بنیاد پرامتیازی پہنچان رکھتا ہے۔اس رواں سمسٹر میں بھی مختلف النوع پروگراموں کاانعقادعمل میں آیا۔شعبہ کے باہر بھی طلبہ اور اساتذہ نے مختلف علمی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ذیل میں ان کی ایک مختصر رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔

اسلامی مطالعات فورم

اس پلیٹ فارم کے تحت مختلف قسم کے مباحثے ، خطابات اور متنوع ثقافتی پروگراموں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ☆تعلیمی سال کے آغاز میں یکم اگست کوشعبہ میں نئے طلبہ و طالبات کے لئے تعارفی نوعیت کا پروگرام منعقد ہوا جس سے طلبہ وطالبات کوشعبہ اوراساتذہ سے متعارف ہونے کاموقع ملا۔ ☆ 29/ اگست کو اسلامی مطالعات فورم کے زیر اہتمام MHRD کے تحت چلنے والے پروگرام سویم کے تعارف پر مبنی ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی۔☆16/ستمبر کو پروفیسر محمد ظفر الدین (ڈائیریکٹر نظامت ترجمہ، مانو) نے”اردو کی معاصر ادبی تحریکیں“ کے عنوان پرایک فاضلانہ خطبہ پیش کیا۔☆13/اکتوبر کو اسلامی مطالعات فورم کے تحت”اسائنمنٹ اور امتحان کوکس طرح لکھا جائے؟“ کے زیرعنوان پر پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی (صدرشعبہ) نے معلوماتی لکچر دیتے ہوئے طلبہ کو رہنما اصول فراہم کئے۔☆24/اکتوبر کو پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی نے”اجتہاد اورمقاصد شریعت“ کے عنوان سے ایک فاضلانہ خطاب پیش کیا اورمسائل کے حل میں ان دونوں کی اہمیت کو نمایاں کیا۔ ☆ 14/نومبر کو جناب صالح امین (گیسٹ فیکلٹی، DDE) نے”ہندوستانی عہدِ وسطیٰ کا قانونی منظر نامہ“ کے عنوان سے طلبہ سے گفتگو کی۔

بزم طلبہ کی سرگرمیاں

بزم طلبہ میں طلبہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اورانھیں نکھارنے کاموقع فراہم کیا جاتا ہے۔اس پلیٹ فارم کے تحت کئی اہم پروگرام منعقد کئے گئے۔☆شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ کی قلمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے بہترین پلیٹ فارم فراہم کرنے والا دیواری پرچہ”اسلامی مطالعات“ کے نویں شمارہ کی رسم اجراءشعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو اورہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کے اشتراک سے منعقدہ دوروزہ قومی سیمینار مورخہ 23-24/اپریل میں انجام پائی۔☆ 26/ستمبر کو”مقابلہ محفل غزل“ کاانعقاد ہوا، جس میں طلبہ اسلامیات نے معروف شعراء کے معیاری کلام پیش کئے۔☆ 17/اکتوبر کو بزم طلبہ کے زیر اہتمام”مقابلہ بیت بازی“ کاپروگرام منعقد ہوا جس میں شعبہ کے طلبہ وطالبات کے تین ٹیموں نے میرتقی میر، امجد حیدرآبادی اور کلیم عاجز کے ناموں سے حصہ لیا،اس مقابلہ میں امجد حیدرآبادی نامی ٹیم نے اول مقام حاصل کیا۔ 31/اکتوبر کو بزم طلبہ کے تحت ہونے والے”برجستہ تقریری مقابلہ“ میں ایم اے کے طلبہ نے جوش اورتیاری کے ساتھ حصہ لیا۔ 12/نومبر کو بزم طلبہ نے”تعلیم کی نجکاری“ کے عنوان پراسکول آف سوشل سائنس مانو میں ایک انٹر اسکول تقریری مقابلہ منعقد کیا جس میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے علاوہ دیگر شعبوں کے طلبہ نے بھی حصہ لیا،اس مقابلہ میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ اول مقام حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

بزم تحقیق

بزم تحقیق کے تحت شعبہ کے ریسرچ اسکالرس اپنی علمی وتحقیقی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔خاص طور پراس کے تحت ہر مہینہ علمی مذاکرہ کاانعقادکیا جاتا ہے،ذیل میں اس کی تفصیل دی جارہی ہے:

25/ستمبر کو بزم تحقیق کے زیراہتمام ایک عملی مذاکرہ پیش کیا گیا جس میں شعبہ کے ریسرچ اسکالر مجتبیٰ فاروق نے ”قرآن مجید کے تعلیمی نمونے اور مناہج“ اورشعبہ کے دوسرے ریسرچ اسکالر محمد صلاح الدین نے”خواتین کی دینی قیادت اور انسانی حقوق“ کے عنوان سے مذاکرے پیش کئے۔ 20/نومبر کوبزم تحقیق کے زیراہتمام ایک اورعلمی مذاکرہ کاانعقاد کیا گیا جس میں شعبہ کے ریسرچ اسکالر محمد صلاح الدین اور عزیر عالم نے بالترتیب”خلافت عثمانیہ کا زوال اور اس کے اسباب“ اور ”ہندوستانی معاشرہ میں تصوف کے اثرات“ کے عناوین پر اپنی گفتگو پیش کی۔

شعبہ کے اساتذہ کی علمی سرگرمیاں

پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی (صدرشعبہ):

☆ آئی اوایس کی جانب سے منعقدہ دوروزہ قومی سیمینار بعنوان”اسلامی تناظر میں منہج تحقیق“ مورخہ 20-21/اپریل میں”قدیم فقہاء کااختیار کردہ منہج“ کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا۔☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانواور ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کے اشتراک سے منعقدہ دو روزہ سمینار مورخہ 24-25/اپریل کوافتتاحی نشست میں استقبالیہ کلمات پیش کئے اور اختتامی نشست میں میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی۔ ☆ HRDC مانو کے ریفریشر کورس بعنوان” مشرقی مطالعات“ مورخہ 2-15/جولائی بحیثیت ریسورس پرسن شرکت کی اور 11/جولائی کو”ہندوستان میں اسلامی علوم: اردو اورفارسی زبانوں میں“ کے موضوع پر خطاب کیا۔☆ آئی او ایس کے ذریعہ منعقدہ سمینار مورخہ 6-7/جولائی کو”علامہ حبیب الرحمن اعظمی کے فقہی واجتہادی بصیرت“ پر مقالہ پیش کیا۔☆ شعبہ مذہبی مطالعات سنٹرل یونیورسٹی کشمیر اورآئی اوایس کے اشتراک سے ”جدید دنیامیں مذہب کی تعلیم پرغور“ کے موضوع پر منعقدہ سمینار مورخہ 30-31/جولائی میں”عصری تعلیم کے طلبہ اوراسلامی تعلیم کا نظم“ کے موضوع پر علمی مقالہ پیش کیا ۔ ☆ CPDUMT مانو کے ذریعہ منعقدہ سات روزہ تربیتی ورک شاپ مورخہ 19-25/نومبر کو بحیثیت ریسورس پرسن شرکت کی جس میں”اسلامی مطالعات میں تحقیق کی اہمیت“ کے موضوع پر خطاب کیا۔

ڈاکٹر محمد عرفان احمد (اسسٹنٹ پروفیسر):

☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو اورہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کے اشتراک سے منعقدہ دو روزہ سمینار مورخہ 23-24/اپریل میں مقالہ بعنوان”ہندوستان میں اسلامک اسٹڈیز: ایک جائزہ“ کے عنوان پر پیش کیا۔☆ 7/نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں یوم آزاد تقاریب کے موقع پرکوئز مقابلہ میں کمیٹی کے ممبر رہے۔☆ 27-28/نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں منعقدہ سمینار تیسری اردو سماجی علوم کانگرس میں” بہار کے مسلم معاشرہ میں مذہبی اداروں کا کردار“ کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقالہ پیش کیا۔☆ 30/نومبر اور یکم دسمبر کو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چاریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد میں منعقدہ دوروزہ انٹرنیشنل سمینار میں”نبی کریم ﷺ: ایک ماہر سیاستداں“ کے عنوان سے علمی مقالہ پیش کیا۔

ڈاکٹر شکیل احمد (اسسٹنٹ پروفیسر):

☆ 27-28/نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں منعقدہ سمینار تیسری اردو وسماجی علوم کانگرس میں” مثالی سماج کی تعمیر کی اسلامی بنیادیں“ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

محترمہ ذیشان سارہ (اسسٹنٹ پروفیسر):

☆ دکن اسٹڈیز مانو میں منعقدہ دو روزہ سمینار مورخہ 19-20/مارچ کو مقالہ بعنوان”بہمنی دور میں علم وادب“ پیش کیا۔☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو اورہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد کے اشتراک سے منعقدہ دو روزہ سمینار مورخہ 23-24/اپریل میں”اسلامیات کا نصاب: جائزہ اور معنویت“ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔☆ ماہنامہ ندائے اعتدال، علی گڑھ میں مئی 2019ء کے شمارہ میں ایک مضمون بعنوان ”جنوبی ہند کی مسلم حکومتیں اوران کے علمی ومذہبی رجحانات“ شائع ہوا۔☆ شعبہ امتحانات اور IQAC مانو کے ذریعہ منعقدہ دو روزہ ورکشاپ برائے اصلاحات امتحانات میں شرکت کی ۔☆ آئی ایم سی مانو کے تعلیمی پروگرام کی ریکاڈنگ کے تحت بی اے سال اول کے لئے”نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی میں ایک تعلیمی سبق“ مارچ 2019ء کو ریکارڈ کرایا۔☆ نیوز 18 پر ایک علمی پروگرام میں ”رمضان اور خواتین“ کے موضوع پر بحیثیت ریسورس پرسن شرکت کی۔

جناب عاطف عمران (گیسٹ فیکلٹی):

☆ 27-28/نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد میں منعقدہ سمینار تیسری اردو وسماجی علوم کانگریس میں ”عصر حاضر میں ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور اسلامی تعلیمات“ کے عنوان سے علمی مقالہ پیش کیا۔☆ 30/نومبر اوریکم دسمبر کو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چاریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد میں منعقدہ دوروزہ انٹرنیشنل سمینار میں”ذات رسول ﷺ“ منعقد ہوا جس میں نبی کریم ﷺ کا پیغام: امن وسلام“ کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو اورہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کے اشتراک سے منعقدہ دو روزہ سمینار مورخہ 23-24/اپریل میں مقالہ بعنوان”لکھنؤ یونیورسٹی میں عرب کلچر: ایک جائزہ (نصاب اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے)“ پیش کیا۔

شعبہ کے اسکالرس کی علمی سرگرمیاں:

☆ مجتبیٰ فاروق نے 17/اگست کو امام علی بین الاقوامی کانفرنس دہلی میں ”مکی دور میں حضرت علیؓ کی دعوتی سرگرمیاں“ کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔☆ اگست 2019ء کو شعبہ کے اسکالر صالح امین کی تقرری اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو میں بحیثیت گیسٹ فیکلٹی عمل میں آئی۔☆ 14/نومبر کو صالح امین نے شعبہ میں اسلامی مطالعات فورم کے تحت ”ہندوستانی عہدوسطیٰ کا قانونی منظر نامہ“ کے عنوان سے ایک علمی گفتگو پیش کی۔☆ 27-28/نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں منعقدہ سمینار تیسری اردو وسماجی علوم کانگرس میں ”مجتبیٰ فاروق نے”اسلام کا تصور جمہوریت: ایک جائزہ“، عبد الرقیب نے ”جمعیت علمائے ہند کا سیاسی کردار“ اور صالح امین نے”ہندوستان کے مسلم سماج میں مذہب اورسیاست (تکثیری سماج میں اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے)“ کے عناوین کے تحت علمی مقالات پیش کئے۔☆ 30/نومبر اوریکم دسمبر کو شبلی انٹر نیشنل ایجوکیشنل اینڈ چاریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد میں منعقدہ دوروزہ انٹرنیشنل سمینار میں مجتبیٰ فاروق نے نبی کریم ﷺ کا تعلیمی انقلاب: ایک جائزہ“، عبدالرقیب نے”عہد نبوی کا نظام تعلیم: خواتین کے حوالہ سے“ اورعامر مجیبی نے”ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی سیرت نگاری“ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔☆ پروفیسر فواد سیزگین کی حیات وخدمات پر آئی اوایس کی جانب سے ایک کتاب شائع ہوئی جس میں مجتبیٰ فاروق کا ایک مضمون بعنوان”پروفیسر فواد سیزگین دور جدید کاایک بے مثال محقق“ شامل ہے۔☆ مانو کی اشاعتی ادارہ سے مجموعہ مقالات پر مشتمل ایک کتاب بعنوان ”موجودہ ہندوستان میں اقلیت سماجی تشدد اور اخراجات“ شائع ہوئی جس میں”علوم اسلامیہ میں خواتین کی خدمات: عصر حاضر کے تناظر میں“ کے عنوان سے مجتبیٰ فاروق کاایک مقالہ شائع ہوا۔

☆☆☆

علم حاصل کرنا فرض ہے

(گڑیارانی، ایم اے، سال دوم)

علم کاحاصل کرنافرض ہے۔نبی کریم ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اس وقت دنیا بھر کی صورت حال یہ تھی تعلیم چند لوگوں تک محدود تھی اور عام لوگوں پر تعلیم کادروازہ بند تھاان حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے زبردست تعلیمی انقلاب برپا کیا۔ آپ ﷺ نے عوام وخواص تمام لوگوں کے لئے تعلیم کادروازہ کھولا بلکہ تعلیم کاتصورعام کردیا۔آپ ﷺ نے ہر مرد اور عورت پر تعلیم حاصل کرنالازمی قرار دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”طلب العلم فريضة على كل مسلم “،(ابن ماجہ:224)یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پرفرض ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے تعلیم کے لئے راستہ ہموار کردیا،اوراس کی ترغیب میں اس قدر فضیلتیں اور بشارتیں دیں کہ ہر شخص حصول علم کاشیدائی اوراس کامشتاق بن گیا۔قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم کی دولت دوسری مخلوقات سے انسان کوممتاز کرتی ہے،اس کے اندرعلم کواخذ کرنے کی صلاحیت ہے،چنانچہ حضرت آدم کی تخلیق کے بعداللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کوتعلیم سے نوازا، اللہ تعالیٰ نے آدم کوتمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم دی۔قرآن مجید میں جابجاعلم اور علماء کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے،چنانچہ آپ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی،اس میں درس وتدریس اورتعلیم وتعلم کے سب سے اہم وسیلہ قلمؔ کا ذکرکیا گیا ہے۔”اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ “،(سورۃ العلق:1-5)یعنی پڑھو،اپنے رب کے نام کے ساتھ،جس نے پیدا کیا،جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔پڑھو،تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا،انسان کووہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

قرآن مجید اُس معاشرہ میں نازل ہوا تھا جہاں لوگ اپنے آپ کوان پڑھ اورجاہل ہونے پرفخرمحسوس کرتے تھے۔ قرآن نے اس بات کوصراحت کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کی وجہ سے انسان کوفضیلت دی گئی ہے۔قرآن مجید نے اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ علم ہی سے انسان میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔ایک روایت میں ہے:اگرکوئی شخص علم کے راستہ میں سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جنت کے راستہ کوآسان کردیتا ہے،(مسلم:2699)،اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی ارشادفرمایا کہ”جب انسان دنیا سے چلا جاتا ہے توعمل سے اس کارشتہ کٹ جاتا ہے،لیکن تین اعمال ایسے ہیں جن کافائدہ اسے مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ان میں سے ایک علم ہے جس سے لوگوں کونفع پہنچتا رہتا ہے“۔ علم اورتعلیم کی اتنی اہمیت وفضیلت ہونے کے باوجود آج ہم دنیامیں تعلیم ہی میں سب سے پیچھے ہیں۔قرآن وحدیث میں اس بابت بے حدتاکید ہونے کے باوجود ہم نے ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔اس علمی زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے علم اورتعلیم کی تئیں وہ دلچسپی اور سنجیدگی کامظاہرہ نہیں کیاجو کرنا چاہئیے۔ہم علم وتحقیق ہی کے ذریعہ امت کے زوال کوختم کرسکتے ہیں اورآگے بڑھ سکتے ہیں۔علم وتعلیم اورتحقیق کے بغیر ہماری حیثیت بالکل اس جھاگ کی طرح ہے جس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہوتی۔بدقسمتی یہ ہے کہ اس بات کوسمجھنے کے لئے ہم تیار ہی نہیں ہیں اورنہ ہی اپنی شکست خوردگی کاازالہ کرنا چاہتے ہیں۔آج ہمیں سب سے زیادہ تعلیم ہی پرتوجہ دینے کی ضرورت ہے۔اسی تعلیم سے ماضی میں ہماری شناخت تھی اور پوری دنیا نے ہمارے اسی علمی سرمایہ سے استفادہ کرکے اپنی علم کی راہیں ہموارکیں۔اورآج بھی علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اپنی کھوئی ہوئی شناخت واپس حاصل کرسکتے ہیں۔لہٰذا یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ہم علم وتحقیق کے میدان میں اپنے دن ورات کی محنتیں صرف کریں اورخود کواس مقام پرفائز کریں کہ دنیا ہمیں اپنا امام ومقتدیٰ ماننے پرمجبور ہوجائے۔

☆☆☆

ہندوستانی معاشرہ میں تصوف کے اثرات

(عزیر عالم، پی ایچ ڈی)

ہندوستان کی سرزمین سے کبھی روحانیت کاسورج طلوع ہوا تھا۔اس کی مٹی سے بڑے بڑے صوفیاء اور اولیاء کرام پیدا ہوئے،جنہوں نے اپنے اخلاق وکردار کے ذریعہ عام انسانوں کے دلوں کوفتح کیا،اوران تک اسلام کاپیغام پہنچایا۔یہ حضرات صوفیاء کرام معاشرہ کے لئے مشعل راہ بنے۔صوفیاء کرام کی آمد ہندوستان میں اس وقت ہوئی جب ہر سو بازارفتنہ وفساد گرم تھا۔سارا ملک ظلم وجہالت کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ہندوستان کی سیاسی وسماجی حالت بہت ہی ابتر تھی۔چھوا چھوٹ، ذات پات کافرق پورے ہندوستانی معاشرے کی شناخت بن چکا تھا۔ایسے پرفتن ماحول میں یہاں صوفیاء کی آمد ہوئی۔صوفیاء کی آمد پہلے سندھ اورملتان کے علاقے میں ہوئی تھی۔شیخ ابوعلی سندھی، اسماعیل لاہوری، شیخ علی ہجویری، سلطان سخی سرور اور معین الدین چشتی کی آمد پہلے غیر منقسم ہندوستان میں ہوئی تھی۔خواجہ معین الدین چشتی نے ہندوستان میں ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی، جس نے ہندوستان میں اٹھارویں صدی عیسوی تک اپنے عروج پر پہنچ کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کی اشاعت کی۔خواجہ معین الدین چشتی نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ، بہاؤالدین زکریا ملتانی نے سلسلہ سہروردیہ، شیخ مخدوم حسینی نے سلسلہ قادریہ کی بنیاد رکھی،اورخواجہ باقی باللہ نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد ڈالی۔ان سلسلوں نے ہندوستانی معاشرہ میں اسلام کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔لوگوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کی مرہم پٹی کی، مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی،اخوت اور بھائی چارے کا سبق پڑھایا، ذات پات کی تفریق کوسماج سے ختم کیا، جس کی وجہ سے صوفیاء کے پاس ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے تھے۔ہندو مسلم، مرد عورت، امیر غریب، غرض ہر طبقہ کے لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ان کے یہاں کوئی بھید بھاؤ نہیں تھا۔ہندوستانی معاشرہ میں اونچ نیچ چھوا چھوت اور سماجی تفریق بھرے ماحول میں صوفیاء کرام امن وسکون کی بحالی کے لئے ایک ثمرآور درخت ثابت ہوئے۔ حضرات صوفیاء اپنی خانقاہوں میں جوتعلیمات دیتے تھے وہ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے ہوتی تھیں، جس کی وجہ سے خانقاہوں کے اثرات معاشرہ میں پڑے۔بلبن کی وفات کے بعد علاء الدین خلجی کے دور اقتدار تک دہلی میں چوری، کالا بازاری، قتل اور عصمت دری جیسے جرائم کم ہو گئے تھے۔ان جرائم کو ختم کرنے میں صوفیاء کرام کی تعلیمات کا بڑا ہاتھ تھا۔پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:”صوفیاء کی عوام دوستی اورخدمت خلق نے تصوف کوصرف ایک انفرادی روحانی تجربہ نہیں رہنے دیا، بلکہ محبت اور رواداری کی ایک تحریک بنا دیا۔یہی سبب ہے کہ آج صوفیاء کے مزارات، خانقاہیں اور درگاہیں ہر گوشہ میں موجود ہیں اورلوگ عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں“۔

ہے انجمن میں روشنی تو ہمیں کیا حاصل چراغ دل میں جلاؤ کہ بہت اندھیرا ہے

☆☆☆